

حکیم

تالیہ خواب میں فارغ کے سن پاؤ والے گھر میں، خود کو ایلم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فارغ تالیہ سے اپنی فاکل کی دوا لینی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو مصروف سے بچا چلتا ہے کہ وہ سکھ ایلم کے پاس ہے۔ ایلم اسے ایک جیو گروچھو جاتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے انجھا جاتی ہے اور جیو گروچھو ایک سیل کرتے کہ گھوڑا لاتی ہے مگر سکھ اس کے ہاتھ میں دہنے کے بجائے ایلم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

قاضی صاحب کے ذریعے فارغ کو عالم کا پتہ چلتا ہے۔ فاکل کی دوا لینی کے لیے عالم تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فارغ کو بھی شامل کرتا ہے۔ فارغ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایلم پر سکے کا سر رکھتا ہے۔ عالم پتا چلا لیتا ہے کہ فاکل اشعر کے آفس میں ہے۔

سکھ تالیہ کو ایک سیل کرنے آتا ہے۔ بازار میں راتیں، سب کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ عالم جان پہنچیل کے اگلے روز ہی فاکل اشعر کے سیف سے چرا کر لاو جاتا ہے۔ فارغ، عالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایلم کو تالیہ سسٹو کہہ سکتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پہنچان دیکھتا ہے تو اسے تاریکی کھانی داؤہ جاتی ہے اور وہ بچتا جاتا ہے کہ تالیہ اس کے پیچھے ہے جو ایلم کے پاس ہے۔ مصروف سے فارغ جھوٹ بولتا ہے۔ مصروف کو فارغ اور اشعر دونوں نے غصہ کیا ہے۔ فارغ سن پاؤ کو بیچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے چاہتا ہے۔ مصروف تالیہ کی فرمائش پر اسے گئی ملا لیتی ہے۔ فارغ سن پاؤ کے گھر کی کھانی سنا ہے۔ تالیہ اس صر کے کوئی کوئی کہہ کر بھج جاتی ہے کہ خزانہ لہیا ہے۔ وہ فارغ سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔



مزدور سے پہلے سے انکار کرتا ہے۔ قاضی کو یاد آتا ہے کہ وہ مسرور اور بچوں کے ساتھ بیڑوں کی سیر کر رہا تھا، جہاں آریا نے اس کی آبیاجو کے لئے انکار کر دیا۔ قاضی نے یاد کیا کہ اسے وہ بچے آپ کا بیان کے ذریعے پرانی کی لاش تک پہنچا جاتا ہے۔ آریا نے جاسمت کے دوران بیڑا سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے انکار کا بھی کھانی میں گر کر مر جاتا ہے۔ قاضی آریا کی لاش کے ساتھ اسی وقت جاتا ہے اور اس کی موت کا کیونکہ تھا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریا کو فوجی نے انکار کر دیا تھا۔

ایم ایم قاضی پہنچ جاتا ہے۔ ایم ایم کو یقین دلانے کے لئے تالیہ پر مسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایم ایم فک میں چڑھ کر راستے میں قاضی کو قتل کرتا ہے۔

تالیہ قاضی کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ قاضی اور ایم ایم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ قاضی اسے پالیس کے حوالے کر دیتا ہے۔ مگر خزانہ دیکھنے پر بخیر ہوتی ہے۔ بلاخر قریبوں بہت کے بعد ایک دروازہ سے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ مٹا دیا جاتا ہے۔

راستے میں دو مٹی حالات ہیں آئے ہیں۔ تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے دانت کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ دوسرے صدی کی لڑکی ہے جو قوت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور جی کی تلاش میں تالیہ قاضی اور ایم ایم بلانے والے میں پہنچ جاتے ہیں۔

قاضی پر حمل جاتا ہے کہ تالیہ جی حاملہ ہے۔ اب اس کا دل بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے ٹھہرانے کے بجائے جنگل سے نکلے گا سوچتا ہے اور اسی دوران دونوں کا دل بدل رہا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگ لگتی ہے۔ کچھ آریا تالیہ کی کنگھڑی کے گھاس کے گھاس کے لوگوں پر غم اور حسد سے لدا اس نے تالیہ کے ہاتھ کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادہ تالیہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایم ایم اور ان قاضی تاریخی کتابوں کے حوالے سے تالیہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تالیہ کی طرف کرتے ہیں اور ان قاضی قاضی کا شکر کھاتے ہیں۔

ان قاضی کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی خبر ہے اس کا خیال ہے کہ مسرور اور وہ چالی ہالڈے کا قورمہ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے اس مقدمہ کے لئے قید ہلاک یا ماضی دوری ہے۔

یہ لوگ دین فارسیٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونپتی ہے۔ کسانے کی یہ فوج خود قید ہلاک کے لوگوں کو قید کر لیتی ہے۔ اور میں قید میں تالیہ سے ایم ایم اور تالیہ کے زیر دہائی پر لکھنے کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو قورمہ بارہ آگ لگتی ہے جب وہ ہلاک کر کے ایک شیش خانے میں جاتے ہیں کچھ کیسی۔ وہاں کی انجانیز سنسدر یہ اس کا یہ مسلیٹ اجارہ لیا قورمہ ایک منار کو کچھ دیا قورمہ کو دیکھ کر اس کے لئے پہنچ لایا تھا۔ وہ کچھ نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مہینوں میں بھی جلا ہو گیا تھا۔ جیم خانے کی سیزم گھنٹیں تالیہ پر چوری کا غلام اصرام لگاتی ہے۔ اور اسی شد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنی جینا سنبھال سکتی ہے۔

جیم خانے میں مسرور و لکھن آتے ہیں جو مسرور وقت بچوں کے ساتھ گزارا دیا جاتے ہیں کہ اپنا پاس پینہ کی ایک پینٹ کر لیں۔ ان کا زور اور وقت بچا کر گزارا دیتا ہے۔ جو جبر وقت کی پیرا لیں مگر اس کا کھانا ملتا ہے۔ وہ لکھن اسی پہلے گلاب اور سٹیک ایک شہدہ دیکھا کر مڑھ کر رہتے ہیں۔

ڈو لکھن ایک کون آراشت اور اس کے۔ وہ جیم خانے میں پہنچا پینٹ کے نہیں آ پاتا، لکھن کی نظر پھرنے لگتی ہے۔ قورمہ مٹی میں سے جبر الے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا کھانا ملتا ہے۔ تو وہ غلام لکھن کی گارت بھانپتی ہے۔

تالیہ کو بار بار جیم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا مسرور یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک مہر میں لے جاتا جاتا ہے، جہاں اس پر اس کی کہادائی کے کنگ کا مسرور اصرام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ جالینجا کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے بلاخر خود لکھن کو قورمہ لکھا تھا اور اس میں جی کے طور پر ڈو لکھن نے اسے اپنا مسرور بھجوا دیا تھا۔

تالیہ ایم ایم اور قاضی کو "ایو انجی" نامی آدی کے کاغذ سے ایک بھجے میں شہید کر کے گھوڑا گاڑی کے ڈو لے قورمہ ملا کر کے شہر لے جاتے ہیں۔ تالیہ خود کو ایم ایم کو یاد کرنا کہتی ہے۔ مگر کسان کو یاد کرنا ہے پہلے ان کو یاد کرنا جو مسرور

پاتی ہے۔ وہ دونوں قاضی کو قید کر فرما رہا ہوتا ہے۔ قاضی کو ایک قید خانے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک "کلیو" نامی قیدی کے ساتھ یہ اسلوگ کیا جاتا ہے۔

قید میں قاضی کو یاد آتا ہے۔ وہ ماضی میں کی خاص مقدمہ سے بھیا گیا ہے۔ وہ خود کو حالات کے نرم و کریم بنانے کے بجائے ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تالیہ کی ذہانت سے وہ دونوں اپنے انکار کا دل کو کھل دے کہ میں بدلی کر شہر میں ہی بھرتے ہیں۔ جہاں تالیہ پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ خود شہزادی تالیہ سے اور بندہ پار کی بیٹی ہے۔ بندہ پار اس کا اپنے ساتھیوں سے شہزادی کے کہیں بھڑا دیتا ہے اور خود بادشاہ سے جو اس کا ماسوں ذرا سے مل جاتا ہے۔ تالیہ عد سے جو ہو کر خزانے کی چابی حاصل کر سکتی ہے اور وقت کا دروازہ پھاڑ کر جاتی ہے۔ راجہ مسرور تالیہ کو اپنی بیٹی تالیہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے۔

ایم ایم اور ان قاضی کو ایو انجی کی غلامی میں کام کرنے کے لئے موقع پر دیا جاتا ہے کہ بارے میں جانتا ہے قاضی اسے تالیہ کی کھانی بھجوتے تالیہ یہ جان کر غصے میں آ جاتی ہے اور حالات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کینے سے گناہ اور ان میں ایم ایم کی نالی سے گرفتار کر کے مختلف سزا دیتی ہے۔ تالیہ کو کوشاں کی کتب خانے میں کام کرنے کی سزا ملتی ہے۔

تالیہ کو اپنے باپ مسرور کے خیالات کا اور ظلم کا مظاہرہ کر کے تالیہ کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ وہ یہ کہ خاص کثیر شریف اس کی جاسوسی کرتی ہے۔ مگر تالیہ اس کی کمزوری پر چالا کر اس کی نوادہ اور خرید لیتی ہے۔

ملکہ یان سوہ لکھن بادشاہ کی بیٹی اور بادشاہ مرسل کی بیوی ہے۔ مسرور ایک ظالم صورت ہے اور اس کے مقابل بندہ پارا مراد ہے۔ جو بادشاہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وان قاضی کو ایو انجی اپنے باپ کی خانے میں کام پر رکھ لیتا ہے۔ وہ اسے انجی خدائیں کھانے کو دیتا ہے تاکہ غلامی میں اس ظالم کی اس کی جیت لے۔

تالیہ قاضی کے قاتلانہ کام کو سمجھ نکال لیتی ہے۔ وہ جانتا جانتی ہے کہ کتاب میں اس نے لکھا کہ اسے تالیہ کے قاتل قاضی قاتل تالیہ ایم ایم، بھگتا لکھن کے قاتل قاضی ایم ایم ہے۔ جس نے ان کی کتب خانوں میں شرمیل کی تالیہ دھکیلتی ہے۔

ایو انجی شہزادی خزانہ کی جانا جاتا ہے وہ بادشاہ کی موت کر رہے۔ جہاں ملکہ اور راجہ بھی ہوتے ہیں۔ تالیہ بھی وہاں پہنچ جاتی ہے۔ بادشاہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ملکہ یان سوہ "وانجی کی" کوشاں خزانہ جانتا جانتی ہے۔ مراد ایو انجی کو۔

ایو انجی اس کے باپ کے وانجی کی سے متاثر ہے۔ موت میں اسے وانجی کی بھی موجود ہوتا ہے۔ ایو انجی اس سے نظر محسوس کر کے قاضی کے ہاتھوں اسے زہر دلاتا ہے مگر قاضی وانجی کی کو قورمہ دار کر دیتا ہے۔

قاضی وانجی سے بعد متاثر ہے اور اسے خزانہ دیکھنا جاتا ہے مگر تالیہ ایو انجی اور راجہ کو خزانہ جانی بھانپتی کی غارش کرتی ہے۔ قاضی کو یہ بات ناگوار نہ رہتی ہے۔ تالیہ ایم ایم کو کوشاں سورخ حیوانات کرتی ہے۔ قاضی تمام ماسوں میں آزادی کا جذبہ بھگاتا ہے اور اسے ساتھ کا یقین دلاتا ہے۔ راجہ اور اصرام ایم ایم ہر دو بادشاہ کو قاتل کے اسے آدی حیوانات گرد دیتا ہے اور ہر اور اس کا شکر دل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ تالیہ شادی سورخ سے اپنی چھوٹی قرینیں لکھواتی ہے۔

تالیہ راجہ مراد کی غیر موجودگی میں اس کے خزانے کے کمرے کی علاقہ لیتی ہے جہاں اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ یہ غیبتوں پر لکھی گئی دولت میں کسی غیبی جگہ پر چھپا کر رکھا ہے۔ تالیہ مسجد کے نام پر چھپا حاصل کرنے کے لئے اپنا اخیر سے ساز باز کر لیتی ہے۔ قاضی کو تالیہ مل جاتا ہے۔ وہ وہاں جاتا ہے اور غلامی میں وانجی کی کاغذ کے لئے توجہ دیتا ہے۔ قاضی مستحق کی باتیں تاکہ وانجی کی کو تاجر کر دے۔

یان سوہ کے والد کو بادشاہ مرسل کی نظر لگ جاتی ہے۔ وہ وہاں کے قورمہ کے۔ یہ بادشاہ کا مستقل غسل کا پانی

پاؤں سے مگر شایب طیب آنا کافی کرتا ہے۔ چاہے مداخلت کر کے طیب کو ملکہ کا حکم ماننے پر مجبور کر دی ہے۔ ملکہ، تالی کی جاسوسی کرواتی ہے مگر تالی باؤں باؤں میں اس کا دل اپنی اپنی طرف سے صاف کر دیتی ہے۔ بادشاہ کے حوالے سے اس کے خدشات بھی دور کر کے واضح کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی خاطر ضرور دواؤں جانے کی قیاح کے کہنے پر مجبور مرنی، دوا لگ لی سے مدد چاہتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔ دوا لگ لی کے انکار سے اس کی خفیہ کابرت قیاح کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔

دلیہر سرل تالیہ نے کفن اور تالیہ سے متاثر ہو کر اس نے شادی کرنا چاہا ہے۔ ایہ م کی زبانی یہ بات سن کر قیاح کا دماغ گھوم جاتا ہے۔ دلیہر مراد کو شک ہو جاتا ہے کہ تالیہ اپنے ساتھ کسی مرد کو لاتی ہے وہ اسے تلاش کر دیتا ہے۔ تالیہ بھی یہ بات بھانپ سکتی ہے اور قیاح کو خبردار کرتی ہے۔ دلیہر سرل تالیہ کے باپ کو تالیہ کا رشتہ داتا ہے۔ ملکہ یا ان صوفی کی نظیر یہ بات ملکہ کو بتاتی ہے۔

پندرہویں قسط

وقت کے اس پار

اس نے خواب میں دیکھا.....
 مٹھنی کی تیز آواز ہے اس کی آنکھ کھلتی ہے۔
 وہ بڑا کھلے کھانے پھینکتی ہے، پھر سسر سے دور نیچے اتارتی ہے.....
 اور قہقہے ہر دھڑ میں ڈالے باہر کھینچے۔
 اب وہ تیز تیز زینہ بچلا کر رہی ہے، دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔
 وہ دروازہ کھول کے باہر راجہ وہ پے آتی ہے۔
 سامنے گھٹ کے پار کوئی کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک نوکری ہے۔
 اس کے قدم سست پڑ جاتے ہیں۔ وہ گھٹ تک آتی ہے، جھنگے کے اوپر سے ہاتھ بڑھاتی ہے۔
 آہی آہی نوکری پکڑا کرتا ہے وہ وہیں پیچھے زمین پر چھٹی چلی جاتی ہے۔ نوکری اس کے ہاتھ میں ہے اور چہرہ گھٹت خود دوسرا لگتا ہے۔
 اب وہ نوکری میں موجودا شیاؤں ہاتھ پھیر رہی ہے، ان کی خوشبو مٹھنوں سے نکل رہی ہے، تیز باؤں خوشبو.....
 اور اس کی آنکھیں میٹھنی جھکی جا رہی ہیں۔

نوکری میں دھمی چیزیں دھندلی نظر آ رہی ہیں.....
 اور..... خواب ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔
 ☆ ☆ ☆
 سر ہوا کے زور و ہرجو گے اس کے سر سے پھنے کی ٹوپی گرادی۔
 تالیہ مراد چوڑی کے مٹھی۔
 وہ سوئی نکل مٹھی۔ اس مٹھنی کے کونے میں بیٹھے بیٹھے مٹھنوں پر چہرہ ہکا کے آنکھیں موندتی ہی مٹھنی کے یہ خواب دکھائی دیا۔ باپ آنکھ کھلی تو دیکھا..... مٹھی پالی پر تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی مٹھی اور جڑو قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔
 ”نوکری برا خواب دیکھا ہے کیا؟“
 ایہ م ہاتھوں پر مٹھی پیچھے ہونے قریب آیا تو اس نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ چنے میں ملبوس وہ مٹھی اٹھائے صاف دکھائی دیتا تھا۔
 ”ابھیرے برف کا معلوم نہیں۔ مگر ہاں..... خواب ہی دیکھا ہے۔“ اس نے جھرجھری لی۔
 ”کیا دیکھا آپ نے؟“ وہ اس کے قریب آ رہا۔ ساتھ ساتھ مٹھی بھی لیٹ رہا تھا۔
 ”میں نے خود کو کہنے کے ایل والے مگر میں

دیکھا کھٹکتی جاتی ہے۔ ایسی جھٹکتی جس کا مجھے انتظار تھا۔
 جسے کوئی عادت ہو چھپے۔ میں بھاگ کے دروازہ کھولتی ہوں تو مجھے کوئی شخص ایک نوکری دیتا ہے جیسے تھوہو..... مگر میں.....
 وہ کہنے کہنے رک جاتی جیسے خود میں ہی الجھ جاتی تھا۔

”وہ ایک سمندری سفر پر تھی جس سے وہ لوٹ کے نکلیں آئی تھی۔ اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کی سمندری سفر پر بھیجنا۔“
 مراد اس کے دل کی پسی نے پھر کر دیا۔
 ”میں کبھی یا کبھ اور بھی جانا چاہتے ہو تم رہو؟“
 ”بے تاثر سے انداز میں اس نے بات جاری رکھی۔
 مراد کی گردن میں مٹھی کی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی۔ مگر چہرے کے تاثرات اس نے بہت ضبط سے ہموار کئے۔
 ”مجھے تمہاری کیا بات پہ یقین نہیں ہے۔ جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی باندہ زندگی گزارو۔“ وہ قدرے غصے اور عقادت سے ہاتھ بھلا کر کے بولا تو قیاح کا ساکرا گیا۔
 ”مہبت جلد تمہارے مجبور ہو جاؤ گے مراد دلیہر کرتی مجھے خود یہاں دواؤں ملاؤ گے اور اس کرسی (تخت) کے ساتھ دالی کرسی کی جانب اشارہ کیا) پہ بٹھا کے میرے ساتھ غذا کرات گرو گے۔“

مراد نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ دوبارہ بھلا یا اور رخ موڑ لیا۔ پانی تیزی سے وارد ہوئے اور اسے بازوؤں سے پکڑا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر راجہ پر ڈالی جو کہ ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا تھا اور پلٹ گیا۔
 ”عارف!“ اس کے جانے کے بعد مراد قدرے بے چینی سے عارف کی طرف گھومنا جو مگر منہ ساویں کھڑا تھا۔ پشیمانی مٹھنی آنکھوں اور آنکھوں میں پڑ چکی تھی۔
 ”کیا تمہیں اس آدمی کی باتوں پہ یقین ہے؟“

”مگر اس نوکری میں کیا تھا؟“ اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ ”میں اس چیز کی خوشبو بچاتی ہوں۔ ایسے جیسے..... جیسے ریشما جا کھٹت“
 ”مگر اس نے نوکری سانس لی اور کھڑی ہوئی۔
 ”خیر..... ایک بات تو طے ہے کہ ہم اس زمانے کی قید سے چلنے لگ جائیں گے۔“
 ”ہم یا صرف آپ؟“
 تالیہ نے کھلے آنکھوں سے اسے دیکھا۔
 ”جس میں لگتا ہے، میں تم دونوں کو چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔“
 ”جی ہاں، مجھے ایسا لگتا ہے۔ کیونکہ..... آپ انہیں فیصد خزانہ بھی مجھ سے بانٹنا برا لگ رہا ہو گا۔ اذری انداز۔“
 ”ہاں لگ تو رہا ہے۔ میں فیصد جتنا کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔ ہونہد۔“ ہالوں کو بے نیازی سے بیٹھ جھکا اور عرشے پہ آگے بڑھ کر، ”جڑو جیسے جیسے قریب آ رہا تھا..... سورج اسی رفتار سے مٹھنی کی پالی میں تھا۔
 ایہ م نے کینہ تو نہ نظروں سے اسے دیکھنے کے گہری سانس بھری۔

سوہنی میسرائل

۱۔ میرے لیے اور میری دعا ہے۔
 ۲۔ میرے لیے اور میری دعا ہے۔
 ۳۔ میرے لیے اور میری دعا ہے۔
 ۴۔ میرے لیے اور میری دعا ہے۔
 ۵۔ میرے لیے اور میری دعا ہے۔

[illegible]

4-25 2500/-	2500/-
4-25 5000/-	5000/-
4-25 10000/-	10000/-

سوال: اگر میں ایک غریب اور بے گناہ ہوں تو میرے گناہوں کی سزا کیا ہے؟

میں نے آغا بھٹی کے لئے دعا کرتا:

مفتی خدیوہ اقبال، لاہور، پاکستان کی طرف سے جاری کیے گئے خط کے مطابق ان کے والدین نے ان کی تعلیم کے لیے ان کی ساری جائیدادیں وقف کر دی ہیں۔

تفصیلات کے لیے: 32735021

”تو تم کمزور رہیں گے پہلے مقابلہ کر چکے ہو؟“ اس نے اجاگر کمان اٹھ کر کہا۔

زمین پہ لونی چیز ریٹ رہی تھی۔ پہلی کی طرح
مگر مجھ۔ لیکن عام فکر مجھ سے دوگنا۔

۱۰ تا ۱۱ کی طرف مکتور اتانے چھا گا چلا آ رہا تھا۔ حیر اس

”میں اس سے ایک بچی کی جان بچا چکا ہوں لیکن سرکاری اعزاز دینے وقت مجھے بھلا دیا گیا تھا۔“

”مکرم قزاس واقعہ کوئٹہ بھولے گا۔ ہو سکتا ہے اس دنیا کے واقعات اس دنیا کی تیار کی لیے ہوں۔ چاہا اور ہمیں اس ذریعہ سے نجات دلاؤ۔“

شہزادی نے کمان بلند کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں ڈرہنگ تھا۔

شہزادی کے حکم پر ایڈم نے بے اختیار جھوک لگا۔ چند فٹ کے فاصلے پر ڈرہنگ کھڑا تھا اور شکار باز اس کی اوت میں گھڑا اپنے ذمہ کو دوسرے ہاتھ سے دبانے ہوئے تھا۔ خون دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا کراس کی بے تار آگھیں ایڈم پر چلی گئیں۔ عجیب پتھر یا چھوڑا تھا اس کا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ ایڈم ہماری آواز میں انتشار کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

”مجھے دوڑنے قدسوں کی آواز آرہی تھی۔ ایک ایک کر کے چاہی دہاں اٹھتے ہوئے تھے۔ تالیہ نے ان کو خاموشی سے اپنے عقب میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے کمان تالے دیں جب سنبھال لی۔

”اھ۔۔۔ کمال۔۔۔ علی۔ ایسا کوئی علم ہو گا تمہارا۔“ ایڈم تبصرہ کرنے والے انداز میں ڈرہنگ کی سیخ میں لگی فٹ کے فاصلے پر ٹھہر گیا۔ منجیدہ نظریں اس شکار باز پر بھی گئیں۔

”مغنیہ۔۔۔ وہ میرے سے بولا۔“ مغنیہ ہم پر میرا اور تم نے اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا دوست نہیں اٹھ جائے گا۔“

”یعنی تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے مغنیہ؟“ وہ اچھی آواز میں بولا۔ ”یہ جانو تمہارا چاچو ہے۔ تمہارے اشارے کی تعمیل کرتا جاتا ہے۔“

”یہ سب کچھ کرنا جاتا ہے۔“

”سب کچھ کرنا تو تم بھی جانتے ہو لیکن کیا یہ معلوم ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟“

چاندلی میں دو با خاموش چڑھ۔۔۔ اور اس پر

ایڈم کی آواز۔۔۔ سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ تالیہ ایلٹے بے چینی سے بار بار ڈرہنگ کو دیکھتی تھی۔ کمان تالے وہ ڈرہنگ کو پیچھے پھینکے ہوئے تھی۔ اور اچھی چھوڑی اور تیز ڈرہنگ کی آنکھیں جا لگے۔

”ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ اسے کیوں کر رہا ہے؟ تم بتاؤ۔ تم اس بیابان پر میرے یہ ایک جانور کے ساتھ رعبہ کے خزانے کی حفاظت کیوں کر رہے ہو۔“

”تم کچھ نہیں جانتے۔“ ڈرہنگ راز خفیہ سے بولا۔ ”یہ چند مشکل دن ہم نے گزارنے ہیں پھر ہمارے پاس اتنا خزانہ رکھا ہوا جائے گا کہ ہم ساری دنیا پر حکومت کریں گے۔“ اس کے لیے بال کچھوں پر گرو رہے تھے۔ میلا پیچلا چوڑا، لمبا، ڈھکی۔۔۔ لیو پکلی آنکھیں۔۔۔ وہ ڈھکی طور پر محبت مند نہیں لگتا تھا۔

”تو یہ وعدہ کیا ہے بعد نے تم سے؟“

”مرا دلہ رعبہ ہمارا مرد ہے اور یہ خزانہ۔۔۔ یہ صرف ہمارا ہے۔“

”میرے پیارے دوست۔“ دونوں ہیلوؤں پر ہاتھ رکھتے کھڑے ایڈم نے انہوں سے گہری سانس لی۔ ”تم جانو سر اور رعبہ کے تخت سنبھالنے کے دن سے نہیں ہو تم نہیں جانتے کہ ملاک میں کیا ہو رہا ہے۔ بے وقوف انسان امراء رعبہ اس وقت ملاک کا بے تاج سلطان بن چکا ہے۔“

”نہیں۔۔۔ ابھی سلطان مرل زندہ ہے۔“ شکار باز فوراً غصا۔ ”جب وہ مرے گا تو ہم حکومت کریں گے۔“

”تم کتنے بے وقوف ہو مغنیہ۔ تم یہاں مراد رعبہ کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہو اس آس میں کہ مراد سلطان کو قتل کر کے تخت سنبھال لے گا؟ نادان انسان۔۔۔ وہ سلطان کو بھی قتل نہیں کرے گا۔ پوچھو کیوں؟“

”وہ سلطان کو قتل کر دے گا۔“ وہ دھری دھری سے چلائی۔ خون بہا ہے ہاتھ کو چھوٹی سے چکر رکھا تھا۔

”نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی اپنی شہزادی شاکہ کی شادی مرل شاہ سے کر رہا ہے۔ کیا اپنے دام کو قتل کرے گا وہ؟“

”تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ مراد رعبہ کی کوئی بیٹی نہیں ہے۔“

”میں ہوں۔ مراد رعبہ کی بڑی بیٹی اور شاہ شاہد ہے کہ میں گناہ بردہ رہی ہوں۔“ میرے اس کا نشانہ باندھے وہ دہانہ آواز میں بولی تو مغنیہ نے افسانہ کو اس دیکھنے لگا۔

”شاہد تمہیں میرے بابائے اپنے باپ سے میں ہر بات نہیں بتاتی۔ میں شہزادی شاکہ سے مراد ہوں اور مجھے میرے بابائے نے خزانہ لینے اور انہیں مارنے بھیجا ہے۔ لیکن میرا یہ جرحل جاتا ہے کہ شہزادی جان بچنے لگی جائے۔“

ایڈم نے گردن موڑ کے اسے گھورا۔ (اپنی کہانیاں گھڑنے والی عادتوں سے آپ باز نہ آئیے گا۔)

”اب قافلاً مرنا چاہیے ہو یا قید ہونا چاہیے۔“

”نہیں۔“ اس نے ٹپ ٹپ میں سر ہلایا۔ ”تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو؟“

”مجھے بات کرنے دیں۔“ ایڈم ہلکے سے بولا پھر مغنیہ کی طرف چہرہ موڑا۔ ”مغنیہ! رعبہ مراد کے وقار ہو کر مرنے والے سے پوچھو۔ رعبہ نہیں بھول چکا ہے۔ وہ وہاں میں سے مکرانی کر رہا ہے اور تم اور شہزادی ہو۔ تمہارا دل رعبہ سے محبت نہیں کرتا۔“

مغنیہ لب بکتے اسے دیکھ گیا۔

”جانتے ہو تمہارا دل اس سے محبت کرتا ہے؟“

اچھی اٹھا کے اشارہ کیا۔ ”اس جان دار سے جس کے ساتھ تمہیں جنگ میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب ایسے کوئی کسی کو کسی کے ساتھ جنگ میں چھوڑ دے تو پیچھے ساری دنیا اٹھتی ہو جاتی ہے۔ صرف وہ اندھ جرموں کا دوست رہ جاتا ہے۔ یہ تمہارا دوست تمہارا سامنی ہے۔ تمہیں اس سے محبت ہے اور جن سے محبت کی جاتی ہے ان کو اپنی خواہشات کی سی سے قید نہیں کیا

جاتا۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں مکمل کے بیٹے دیا جاتا ہے اور دیکھنا کہ جنگوں میں اپنی مرضی سے کھینچ دیا جاتا ہے۔ اگر دلویت کے آج میں تو ہم محبت میں رہے تھے۔ اگر نہ آج میں تو ہم صرف بد قسمت تھے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اس معصوم جانور کو آزاد کر دو۔“

مگر مغنیہ کی میں سر ہلاتا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیسے تھک کے خون بہا تھا پیلو میں گر دیا۔

”تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔“

”مرا دلہ رعبہ وہاں میں کر رہا ہے اور تم یہاں پھل ہو رہے ہو۔ کب تک اس جانور کو اپنے ساتھ قید میں رکھو گے؟ تم از کم اس کو آزاد کر دو۔ اس سے کہو کہ وہاں جنگلی میں چلا جائے اور تم ہمارے ساتھ ملا کر چلو۔ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ مراد رعبہ نے تمہیں کس کس طرح دھوکا دیا ہے۔ اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو ہم سب تیرا مار کے اس ذریعہ کی آگھیں اور شہزاد چھوڑ دیں گے۔“

مغنیہ نے ایک نظر اس ذریعہ کو دیکھا جو بلیوں کے بل ٹھکانا ان لوگوں پر مسلسل غرار ہوا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں کی تیرنے لگی۔ اس نے سنی سنی بولی۔

”انجان زبان میں چند آوازیں نکلیں۔ ڈرہنگ نے اس کی طرف گردن موڑی۔ مغنیہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

چاہیوں کے تیر کمان ابھی تک انہوں میں تھے۔ خود تالیہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ تیر چار تھا۔ اور ڈرہنگ حملہ کرنا ادھر وہ اس کے اندر تیرا تار دیتی۔

گھڑا ڈرہنگ نے چند لمحے کے لیے مغنیہ کی بات سنی پھر دھاری بڑا اور دو ختوں کی طرف جانے لگا۔ ایڈم نے گہرا سانس لیا۔ تالیہ کی بھی تیر کمان پر گرفت ڈھکی ہوئی۔

”تم نے اچھا فیصلہ کیا مغنیہ! اب ہمیں راستہ دکھاؤ۔ خزانہ کہاں ہے اور تم یقین رکھو! رعبہ اس جاکے میں۔۔۔“

”رجب سے کہتا، مجھے معاف کر دے“ میں
 خزانے کی حفاظت نہیں کر سکا۔“ مفید نے آنسوؤں
 بھری آنکھوں سے کہنے ہوئے اپنے اپنے ساتھ
 لگا حیر ایک دم کھینچ نکالا اور پھر... اگلے ہی
 لمحے... اسے اپنے سینے میں بچا ست کر لیا۔ زور سے
 اس کی پیچ لٹکی اور وہ تین بچے کر کے ترپے لگا۔
 جسے بھر کو دبے ششدر رہ گئے۔ پھر ایڈم بے
 اختیار اس کی طرف بھاگا۔
 اور صرف ایڈم نہیں تھا جو اس کی طرف بھاگا
 تھا۔ جنگل کی طرف چلتا ہوا کھڑا ڈرگن بھی اپنے مالک
 کی پیچ من کے پیروی سے واپس لڑکا تھا۔
 اگلے ہی لمحے سیاہیوں کے تیر فضا میں بلند
 ہوئے اور ڈرگن کے جسم میں چست ہو گئے۔ تالیہ کا
 جسے اس کی آنکھ میں لگا۔ ڈرگن کھال کے ہونے کے ذمین
 چھوٹے لگا۔ اس کے قتل سے تجلیں کھڑی رہیں۔
 ”اسے مت مارو...“ ایڈم منت بھرنے لگا
 میں چلا گیا۔ ”خدا مال سے مت مارو۔“
 تالیہ نے چپٹے کی ڈوری گردن سے سے کھینچی
 چپٹے کے حلق کے ذمین پہ جا گرا۔ پھر اس
 کے تیر کمان پر سے پھینکا اور کوا بیان سے نکالی۔
 دوندہ اٹاڑ زمین پہ گرا تڑپ رہا تھا۔ تیر ہر میں
 بچے تھے اور اثر دکھار ہے تھے۔ تالیہ کوا لے کر تیزی
 سے اس کے سر پہ آئی۔
 ”بے تالیہ... اس کو مت ماریں... یہ ایک
 معصوم جانور ہے۔“ ایڈم چلا تا ہوا اس کی طرف بڑھا
 مگر تالیہ نے زور سے کوا اس کی گردن پہ دے
 ماری۔
 ڈرگن کے سر میں بڑا سا کٹ پڑ گیا۔ اس کی
 تڑپ دم توڑ گئی۔ آنکھوں سے زندگی کی روشنی نکل
 گئی۔
 ایڈم ساکت کھڑا رہ گیا۔
 تالیہ اسی طرح آگے بڑھی اور تین بچے
 مفید کو گردن سے دیوچ لے اٹھا۔ پھر اس کے سینے
 سے زور سے تیر باہر کھینچ نکالا۔ خون نکل نکل کر

لگا۔
 ”جنگل میں رہتے ہو اسے دھم سے نہیں
 چاؤ گے۔“ اس کا چہرہ اپنے سامنے کیسے وہ خرائی۔ وہ
 مسلسل کرا رہا تھا۔
 ”ناک بھڑک رہا ہے۔ راجہ کے چوری کے مال کی
 حفاظت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اب سیدھی
 طرح مجھے خزانے کا راستہ دکھاؤ تاکہ تمہاری جان
 بخش دوں۔ ورنہ خدا کی قسم تمہارے جسم میں اسے
 گھماؤ لگاؤں گی کہ کشتوں تکلیف سے ترپے رہو
 گے۔“ اس کی گردن کو بھونکا یا تو تکلیف سے بے
 حال شکار باز فوراً ایک طرف اشارہ کر کے لگا۔
 ”اوجھ... غار میں... یہ خزانہ۔“ سیاہی خورا
 مشعلیں اٹھانے اس طرف لپکے۔
 تالیہ اس کی گردن دلو پہ آگے بڑھنے لگی پھر
 رک کے مڑی اور ایڈم کو پیچیدگی سے دیکھا۔
 ”مارے بھاء ناؤ جنگ سے پہلے ہوئے
 ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو
 دکن پہ ترس گھاؤ کھڑی ہوئی ہے ایڈم اور بیاصول
 پر ڈانے کے لیے ہے۔“ اور اسے آگے بڑھا
 گئی۔ ایڈم بے حال سا کھڑا رہ گیا تھا۔
 سیاہی اب غار کی طرف بڑھ رہے تھے اور سر کٹا
 کو ڈور ڈرگن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت
 پڑا تھا۔
 ☆☆☆
 سلطنت محل کی خردی چھتوں یا اس رات بارش
 برس رہی تھی۔ رانی خواب گاہ سے کھنکھانے والی
 سلطان مرسل شاہ کھڑا تھا کہ پہاڑ باندھے شادی
 قابض ملیں وہ چنے دور تک پہنچنے تاکہ سبز و زار کو
 دیکھ رہا تھا۔ پانی صحت کے کناروں سے پھلتا ہوا لکونی
 کے ستونوں پہ لڑھک رہا تھا۔ موسم خاصا خوش کوار
 تھا۔
 ”آقا“
 ملکہ کی آمد کی سنائی کے چند لمحے بعد بیان سو
 اس کے عقب میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ مرسل چھٹا۔ پھر

اس کی طرف گھوما۔
 ”ملکہ! طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ مجھے خبر تھی
 کہ آج قدرے تیار نہیں آپ۔“
 ”میرے باپ کی جان آپ نے بچائی ان کی
 نظر بد علاج ہو گیا اس سے زیادہ اور کیا چاہیے مجھے
 آقا؟“ اس نے مسکرا کر تعظیم پیش کی۔ پھر سر
 ہوئی اور اسی مسکرائی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔
 ”آپ کو کچھ سے بات کرنی تھی؟“
 وہ دونوں بالکونی میں آئے سامنے کھڑے تھے
 اور گردن پر سر دی گئی گردہ کھولتے تھے۔
 ”جی ہاں۔“
 ”عزم کیجئے آقا!“ وہ اس کی آنکھوں پہ مسکرائی
 نظریں مٹانے ہوئے تھی۔
 ”اب تک آپ کو اطلاع تو مل گئی ہوگی کہ میں
 شادی کرنے جا رہا ہوں۔ تیاری شروع ہو چکی ہے
 اور اختتامات کیسے جا رہے ہیں۔“
 بیان سو کے چہرے پہ ایک دم ڈھیروں اداسی
 کھڑی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ ”جی آقا! سنا تو تھا میں
 کے رگہ رقیب نہیں آیا تھا۔“
 ”آپ تھا اور؟“ ”یقیناً۔“ مرسل شاہ پر سکون
 سا چور رہا تھا۔
 ”تو شہزادیوں کی قسمت ہوتی ہے آقا۔“ ملکہ
 نے تھکی تھکی سی پلکیں اٹھائیں۔ ”میرے باپ کے حرم
 میں تین بیویاں اور کئی خواتین تھیں۔ میں نے اپنی
 والدہ کی تکلیف دیکھی ہے۔ یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے
 فرقی نہیں پڑتا۔ فرقی تو پڑتا ہے۔ دل دکھتا ہے۔“
 لیکن... ”دوڑی سا مسکرائی۔“
 ”اگر آقا کی خوشی اسی میں ہے تو میں اعتراض
 نہیں کروں گی۔ میں اس تقریب میں شامل بھی ہوں
 گی اور کھیلے دل سے آپ کی پی ٹی سکھو کہ خوش آید۔“
 کہوں گی۔“
 مرسل شاہ کا چہرہ مکمل اٹھا۔ وہ پورے دل سے
 مسکرایا۔ ”مجھے آپ سے بھی امید تھی ملکہ! جو ہوا ہے
 وہ ہوا ہوئی ہے۔ لیکن میں آپ کو کتنا یقین دلا سکتا ہوں

کہ آپ ملکہ کی سلطنت کی ملکہ ہیں اور ہیں گی۔“
 ”مارے ساتھیوں و سرکاری شادی سے پہلے کیا
 کہتے ہیں آقا؟“ وہ نیچے دل سے مسکرائی۔ پھر سر
 جھکا۔ ”خیر... کیا کسی خانوادہ کا انتخاب کیا ہے آپ
 نے یا اب کام بھی مجھے کرنا ہوگا؟“ ”شاہی دستور کے
 مطابق فیصلہ دفعہ ملکہ کو سلطان کی پی ٹی سکھو یا خانوادہ
 چاہیے گی۔“
 ”کیا آپ کو نہیں معلوم۔“ سلطان حیران ہوں۔
 ”میں نے شہزادی ناٹش کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آپ کو
 کیسے معلوم ہوگا۔ یہ نام میرے اور مراد راجہ کے
 درمیان ہی تھا اب تک۔“
 ”شہزادی ناٹش؟“ ملکہ کی آنکھیں حیرت سے
 کھلی گئیں۔
 بالکونی کے باہر زور کی کھلی لڑکی۔ ملی بھر کوس مارا
 نکل روشن ہو گیا۔ کچھ جگہ زمین پہ پانی کھڑا نظر آتا
 تھا۔ اگلے ہی ملی اچھڑ چھا گیا۔
 ”مرے راد پر کسی دختر۔“
 ”مگر...“ ملکہ بے اختیار ابھسن سے ہوئی۔
 ”شاہی دستور کے مطابق... آپ کے نکاح میں
 آنے والی خانوادہ کا چند شرائط پہ اثر ضروری ہے
 آقا!“
 ”تو شہزادی ناٹش کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ وہ
 ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ان کی رگوں میں
 ہمارا ہی خون ہے۔ پھر وہ خوبصورت ہیں اور شاہی
 آداب جانتی ہیں۔“ مرسل شاہ نے ہنسنے لگا
 ہوئے فخر سے کہا تھا۔
 ملکہ چند لمحے سادگی سے اس کا چہرہ دیکھتی
 رہی۔
 ”تو پھر... طلاق دلاؤں گے اسے یا اس کے
 شوہر کی گردن ماری جائے گی؟“
 بالوں کے گرہنے کی زوردار آواز سنائی دی۔
 ایسی دھشت ایسی کرن کرن کے ہر وی ٹپٹپٹ کی روح
 تک کاٹ گئی۔
 مرسل شاہ بھونکنا کھڑا ہو گیا۔

چاہی رکھی ہوئی تھی۔ ”وہ بڑبڑائی۔

”مگر اب یہ خالی ہے۔“

”خالی ہے نہیں۔ اس کو خالی کیا گیا ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے کہا۔ ”اب اس کے ملازم بیٹینا چاہی کو گھنٹیں اور اگلے بجے ہیں۔ شاید وہاں باپا کے پاس۔“ وہ اس کی طرف گھومی تو قدرے غرور مند لگتی تھی۔

”اب ہم باپا کیسے دھوڑیں گے؟“

تالیہ نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی۔ ابھی چاہی کی طرف نہیں کرتی۔ وہاں فارغ کا کہا تھا کہ جس پلان کے مطابق چنا ہے۔ اس لیے بھتر ہے کہ ہم پلان کے مطابق نہیں۔

”ٹھیک ہے۔“ ایڈم نے گہری سانس لی اور ایک عزم سے بولا۔ ”میں ان مسندوں کو باہر لٹکواتا ہوں۔ پھر میں وہاں چلا جاؤں گا اور۔۔۔“

”نہیں ایڈم۔“ وہ بولی تو آنکھیں ایڈم کی آنکھوں پر پڑی تھیں۔ ”یہ خزانہ تم نے دھوڑا ہے۔ یہ جزیروہ تم نے دھوڑا ہے۔ تمہارے الفاظ نے ڈر نہیں کے مالک کو سمجھو کیا کہ وہ پسپائی اختیار کرے۔ اس خزانے کا راز تمہارا ہے۔ اس راز کو افشاء کرنا بھی تمہارا حق ہے۔“

”مگر۔۔۔“ ایڈم نے ہلکے کھٹکے ہو گیا۔ ”پلان کے مطابق مجھے واپس جانا تھا اور آپ کو بعد میں یہ خزانہ دے کر وہاں ملا کر آنا تھا۔ آپ خود ہی ہیں اور میں تو بس۔۔۔ (لگا جیں جھک گئیں)۔ ایک اولیٰ غلام ہوں۔“

”اور ساتھ میں ایک جھگڑے فوجی بھی ہو۔ مگر خیر۔۔۔“ شہزادی نے بڑی نخوت سے گال پٹائی لٹ پیچھے کی۔ ”تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا امرا دیکھتے جا رہی ہوں نہیں۔“

”کیا واقعی؟“ اس نے حیران سی نظریں اٹھائیں۔ ”آپ مجھے اس خزانے کا امین بنا رہی ہیں؟“

”میں جانتی ہوں۔ پلان کے مطابق مجھے کہیں

روہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا مگر میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ملکہ کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ فارغ کو شکل میں بندال رہی۔“

”مگر وہاں فارغ کو تو بھی کسی کی ضرورت نہیں رہی۔“

”یہ ان کا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ان کا ہر خیال درست ہو۔“ پھر تالیہ نے گردن کھائی اور خزانے سے بھرے کمرے کو دیکھا۔

”تمہاری ماں نے کہا تھا کہ ایک دن آگے گا جب ایڈم بن چھو گا تو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز کھجھو گے گا اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے شہزادوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہو گا اور میں نے کہا تھا۔ آئین۔ شاید یہ دہی دن ہے ایڈم اس حق خزانے کے مالک ہو گا۔ اب یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم حق کے لیے کمرے ہو تے ہو یا نہیں۔ رہی میں تو سیر خزانہ میں باپ کے گھر چلا ہے اور میرا مقصد صرف وہ چاہی ہے۔ اس لیے مجھے جانا ہو گا۔“

تالیہ مراد کی آواز میں جھمکی بلکی سی دھنچو دھنچو تھی۔ ایڈم میں جھگڑنے سے روک کر قائم کر دیا۔

شہزادی غم ستا کے اب سبز صوف چڑھ رہی تھی۔ اس کے کندھے کی پشت پہ بڑے ترش میں اب بھی کافی حیران تھی۔ بے تالیہ کے منصوبوں کی طرح۔

وہ خزانے سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑا سوچ رہا تھا۔

”مگر یہ وہ دن ہے۔۔۔ جب مجھے زمین کے خزانوں کا راز معلوم ہو جائے گا۔ تو مجھے دنیا کے سارے بادشاہوں سے زیادہ طاقت ور ہو گا۔ پھر اتفاقات دور کیوں نہیں محسوس کر رہا ہوں خود کو؟“

وہ سوچ رہا تھا۔ حیران۔ پریشان۔ سیاہی اب بچے اتر رہے تھے۔ کچھ کوا تالیہ کے ساتھ وہاں جانا تھا۔ کچھ کوا ایڈم کے ساتھ کہیں روہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

مدھم بزم تہاں مراد روئید کی خواب گاہ کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ بکرے کے ایک گوشے میں بیٹھا تھا۔ چوڑکی بار کھینچی تھی۔ اور اور گرجیرہ موم تہاں قطار میں چلا رکھی تھیں۔ سانسے ایک بھری ہوئی بوتل رکھی تھی جس کے پینڈے میں سنہری سکر اور زنجیر تیر رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ بوتل سے چند انچ اوپر پھیلانے زیر لب کچھ پڑھ رہا تھا جب دروازے پہ دھتک ہوئی۔

مراد نے توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندتے ستر پڑھنے میں مصروف رہا۔ دھتکا دوبارہ دھتک ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سر پر زرخیز تھی۔ دھتک تو آواز سے ہونے لگی۔

مراد نے برسی سے دروازے کو دیکھا۔ پھر پھونک مار کے ساری موم تہاں بجھا دیں۔ کمرے میں اسی صیرا اچھا گیا۔ وہ اگلے کمرے میں اٹھا۔ کڑکی کھٹک گیا۔ چائے سے پانی لے کر چہرے پہ ڈالا پھر دیا سلاسل لگائی اور قندیل روشن کی۔

اندھیرا چھٹائی اور اب اس کے دھتک کر وہ عام روشنی سے روشن ہوا۔ وہ موم تہاں کی غصت بھری روشنی غصا ہو چکی تھی۔

اس کے کنبے چہرے کے تاثرات نازل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی سرخی کم تھی۔ سادہ مسیح کرتے باجائے میں بیٹوں مراد نے سرخ بنی مانتے پہ بانہمی اور دروازے کی طرف بڑھا جو کسکسل بن رہا تھا۔

”کون سا مذاپ آگیا تھا جو مجھے اس وقت تنگ کیا ہے؟“ پت کھولتے ہی وہ دھتکا۔ ”کیا جانتے نہیں ہو، یہ بندہ ہمارا کی عبادت کا وقت ہوتا ہے۔“

”راجہ؟“ سیاہی نے دونوں ہاتھ بائیں عرض کی۔ ”سلطان کا بیٹا م آیا ہے۔ آپ کو فوری طور پہ بلا لیتا ہے۔“

”اس وقت؟“ مراد کے ہاتھ پہ پل پڑے۔

”سلطان نے۔۔۔ کہا ہے کہ۔۔۔“ سیاہی نے ٹھوٹک ٹھٹکا۔ ”اگر مراد اپنے بیروں پہ چل کے نہ آئے تو بیرون میں لے آئے۔“

ملکہ سلطنت کے مشیم بندہ ہمارا مراد روئید کے ماتھے کی ساری ٹکٹیں غائب ہو گئیں۔

”ہوا کہا ہے؟“ اسے پریشان ہوئی۔

”معلوم نہیں راجہ۔ مگر آج تخت پر ہم لگ رہے ہیں۔“

”چلو۔“ وہ فوراً زور دیا، اپنی قبا اٹھا کے کندھوں پہ ڈالی۔ بیروں میں چوٹی کھینچی۔ تلوار اٹھانے لگا۔ پھر وہاں رکھ دی۔ اس کے کسی انداز سے پارحیت کی بو نہیں آتی تھی۔

باہر نکلتے سے قلم وہ بوتل کو خاص جگہ پہ چھپاتا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

تین چاند والے جزیروہ کی دو چھوٹی پہاڑی چاندنی میں دھتک رہی تھی۔ اس کی چوٹی پہ بڑا سا ٹیٹھ خروش کے لگا لگا تھا یا شاید وہ تنگ تھا جو اتنا شگاف تھا کہ چاند کا کھٹ اس میں ٹھٹھٹا تھا۔

دوسرا چاند سمندر پہ تیر رہا تھا اور تیسرا چاند آسمان پہ بادلوں کے اوپر کھٹک لگے نیم دراز چھپے جزیروہ کے ساحل کو کچھ رہا تھا۔

دور افق پہ مدھم سی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ سیاہ آسمان چاشنی ہو رہا تھا اور خطی ہوا چل رہی تھی۔ سچ ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ ایسے میں ساحل پہ کھڑی کھنچی کو سیاہی سفر کے لیے تیار کر رہے تھے۔ چند سیاہی پہاڑی کے دامن میں چار کی طرف آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

تالیہ اور ایڈم کسی کے ساتھ کھڑے تھے۔ آسنے سارے۔ تالیہ نے اپنا چہرہ نہ رکھا تھا۔ سچ ہوا سے اس کے بال بار بار چہرے پہ آتے جن کو وہ کانوں کے پیچھے اڑھتی۔ ایڈم اس اس مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اعتیاض سے چاہیے گا۔ سمندری ستر خطرے سے

سے خالی نہیں ہوتا۔

”ہمش باپو کی باتیں کرتے ہو انیم۔“ وہ بے گری سے مسکرائی۔ ”ہم پلان بے پل ریسے ہیں تو ڈر گیا؟ بس کل تک میں داکٹریں ملا کر کچھ جاکوں گی۔ تم جب آنا جب دوسرا مرحلہ پورا ہو جائے۔“ اس نے دوپٹی اعزاز میں یاد دلایا۔

انیم نے سرانثات میں ہلایا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں کھینچ کر غور سے اسے دیکھا۔

”کیا واقعی آپ یہاں سے کچھ جہا کے نہیں لے جا رہیں؟“ آپ چوری سے جاسکتی ہیں۔ میرا پھیری سے نہیں۔

اور وہ دونوں جس پر بڑے۔ پھر تالیہ نے گردن کھرائی۔ وہ دونوں ساحل پہ کھڑے تھے اور سامنے چاندنی سے چمکتے پانی کا سمندر بہہ رہا تھا۔ خاموش سا کین سمندر۔ چور ہو کر بھڑکی کا سمندر۔

”دقت کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا؟“ انیم نے پانی کو دیکھتے ہوئے اس کی آواز میں ادا سی مصلحتی۔

”میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ پانی کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا۔ اگر وہاں قلعہ کارا رکھ لیں تو

لے ان کو گرفتار کر لیا یا ان کی جان لینے کی کوشش کی تو کیا ہوگا۔“

”نہیں۔ پاپا ان کو یوں ایک دم مار نہیں دیں گے۔“

”جی تو میں سوچ رہی ہوں کہ اگر راجہ سے ان کو مارا نہیں بلکہ چنڈا کا اختیار دے دیا تو وہ کس کو نہیں دے گے۔“

تالیہ چوکی۔ سمندر کی لہریں پل بھر کو ختم نہیں۔

سارا جہاز یہ دم سہا دم سے ٹٹکا۔

”کیا مطلب؟“

”اپار کے گا۔ اگر ان کو چنڈا کا موقع ملا تو وہ آپ کو یا کچھ کی نہیں چھین گے۔“

تالیہ کی رنگت گھائی پر ڈنٹے گی۔ مانتے پہل دور آئے۔ ”تم میں اور مجھ میں فرق ہے انیم۔“

”صرف اتنا کہ آپ سے انہوں نے نکاح کیا ہے مگر یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہی دور ہیں گے اور ہم ان کے فیئر۔“

”اگلی کارکن۔ بس!“

”نہیں کیوں لگتا ہے پاپا ان کو چنڈا کا اختیار دیں گے اور کسی کم کے چنڈا کی بات کر رہے ہو تم؟“

وہ اچھی ہوئی تھی۔ اسے یہ باتیں مار کر زبردستی نہیں۔

”یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اسے مینے اگل محل میں رہا ہوں میں ہے تالیہ۔ اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ یہ

عکس ان بڑے فیصلوں میں ہم اپنی کارکنوں کو شریک نہیں کرتے۔ اس لیے۔“

”اگر آپ کو چنڈا کا موقع ملے تو میرے جہاز سے آئے کا انتظار مت کیجیے گا۔ خود اس دوروازے کو پار کر لیجیے گا۔“

”نہیں انیم۔“ وہ بولی تو آنکھوں میں قندورے خیز تھا۔ ”ہم ایک ساتھ آئے تھے اور ایک ساتھ ہی

جائیں گے۔ اگر کم میں سے کوئی مر گیا تو اس کی لاش ساتھ جائے گی۔ تم فی الحال اس کی خزانے کو سنبھالو۔

میں ملا کہ میں تمہاری خطیر ہوں گی۔“

اس کا انداز مصلحتی اور سختی تھا۔ انیم نے پھر سے سر کو خم کیا۔

”الوداعی خیر ادا۔“

تالیہ نے چنے کی ٹوپی سر پر برادری اور کشتی کی طرف بڑھ گئی۔ اس پہ پیٹھے میں اس نے چھپرے مڑے دیکھا۔

ساحل کنارے چند پیش آدم یں محو کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چند سپاہی اس کے آس پاس کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ طالع سپاہی

بے یار باں کھول دیا اور کشتی کو پانی میں دھکیل دیا۔ پھر چھپا جانے لگا۔

وہ کھڑے پاپا کی لڑکی کی چوکی پر بیٹھ گئی اور رخ پانی کی طرف موڑ دیا۔ کین انہوں سے وہ ساحل کنارے کھڑے سپاہی کو کچھ کھینچتی تھی۔

جب کشتی سمندر میں دور ہو کر آئی اور آسمان سے غیر طلوع ہونے لگی تو تالیہ نے چنے کے اندر ہاتھ ڈال کے نکالا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی شے تھی۔

”یہ وہ چیز کی جو اس نے غار میں رکھی تھی وہ غریب چیزوں میں سے اٹھائی تھی۔ یہ سونے کی پیمبر

پن تھی جس کو خور سے پانی لگایا جاتا تھا۔ اس کے دبانے پر ہرن کا چہرہ نکلتا تھا۔“

انہوں میں سے بڑے گئے تھے۔ اور پیچھے جا کے وہ لہجہ کو سنی ہو جاتی تھی۔ تالیہ نے اسے اٹھا کر دیکھی میں دیکھا اور مسکرائی۔

”انیم میں تمہیں... یہ ملا کہ کوئی کی نہیں میرے پاپا کی شے ہے۔ جانے یہ کس لیے استعمال

ہوئی ہے مگر نے دور میں جا کے یہ اچھی خاصی قیمت پر بک جائے گی۔ اس میں جیتی میرے اور خالص سونا

استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔“ وہ خوشی اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی

کشتی سمندر پہ تیرتی جہاز سے دور ہوئی چاندنی تھی۔

☆☆☆

مراد راجہ جب سلطنت محل پہنچا تو صبح ہوئے میں کافی وقت تھا۔ سپاہی اسے فوراً اندر لے گئے۔

مراد نے چہرے پر ناثر گھبراہٹ پریشان تھا۔ اسے ایک ملاقاتی کرے میں بٹھا کے سپاہی

ٹپے گئے۔ وہ کافی دیر انتظار کرنا رہا۔ بے چینی سے ٹپک رہا ایک دیوار دہانوں کو آواز دی تو انہوں نے

تایا کہ آکر داخل فرما رہے ہیں۔ مراد ضبط کے کھوٹ پل کر رہ گیا۔

اسے مرسل نے پہلی دفعہ اتنا انتظار کروا دیا تھا۔ صبح کی پہلی کرن باہر آسمان پر دکھائی دی تو

مرسل شامہ کر کے داخل ہوا۔ وہ کھنٹ سے بھی حالت خند میں نہیں تھا۔ گندہ بال تھیلے میں۔ شاید وہ

اتنی دیر کچھ سوچنے میں مصروف رہا تھا۔ پیشانی سلطنت

زرد تھی۔ مراد نے غور سے اسے اندر آتے اور مسکرائی پھر ایمان ہوتے دیکھا۔ ایک ہاتھ کھینچے پھانے وہ

سیدھا چاندی سے نکلتا سر اوڑھ کر کچھ کہہ کر بولا۔

”آگے تم؟“ ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مراد آہستہ سے سامنے بیٹھا۔

”کافی دیر ہو چکی آقا۔ خبر تھی؟“

بنیاد کا اندیشہ تو نہیں ہوا؟ یاد میں کا تسلیم؟“ وہ بظاہر غور تھی۔ بولا مگر آواز میں معمولی سا کھجکھی تھا۔

”مراد راجہ!“ مرسل نے ہنسیوں اٹھائی کر کے چھپکری سے اسے دیکھا۔ ”تمہیں کے مسئلے سے زیادہ

تکلیف دہات میرے لیے یہ ہوئی کہ میرا بڑا ہمارا بھٹ

سے جھوٹ پڑے۔“

مراد کی گردن میں کھنچتی ایجر کے معدوم ہوئی۔

آثار ت میں تبدیلی محسوس کی۔

”میری جان کے بیچے آقا مگر مجھے بتائیے تو

سہی کہ ہوا کیا ہے۔“ پھر اسے خیال گزرا۔ ”کیا بچن سے قرض لینے کے فیصلے؟“

”تم نے اپنی بیٹی کو نکاح کیوں کیا جب کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔“ وہ

اکڑے اکڑے مگر مضطرب لہجے میں بولا تو مراد نے

جب سے دونوں اور ہچکا۔

”میری بیٹی... شادی شدہ؟“ پھر وہ ہچکا سا

فہم دیا۔ ”ایسا اتفاق کس نے کیا آپ سے آقا؟“ وہ

جیران تھا مگر مجھے معلوم تھا۔

مرسل کے تاثرات کو سمجھنے بدلے۔ پھر سے

کے تاؤ میں کی آئی۔ وہ ڈرنا کے کھوا۔

”تو یہ بات غلط ہے کہ ملک بچن میں تمہاری

بیٹی کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس بات کو چھپا کر تم

مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔“ وہ بے چین لگتا تھا۔

کھڑکی کے پار جامی آسمان سفید چ رہا تھا۔

روشنی اندر آتی تو کمرہ خور ہونے لگا اور قدیلوں کی

روشنی باہر پڑنے لگی۔

”میں سمجھ گیا آقا۔“ مراد نے مہری سانس لے

١٠٠

پھر ایک سپاہی نے جنگل میں جانے کی ہمت کی اور تھوڑی دیر بعد چند پرندے شکار کر کے لے آیا۔ دیکھتے تو ان کے پاس کھانے کا وافر سامان موجود

تھا مگر برنڈے مل جانا بھی قیامت تھا۔ اب دو افراد ان برنڈوں کو آگ پہ بھونٹنے دکھائی دے رہے تھے۔

ایڈم ساحل کے پتھروں کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ
کاغذ کھینٹوں پر رکھے سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے الفاظ
صاف پاتا رہا تھا۔

”مورخ صاحب!“ بچھے سے ایک سپاتی نے
اسے مخاطب کیا تو اس نے گردن موڑی۔
”ماں! کہا ہوا۔“

”میں سوچ رہا ہوں، لنگوٹیاں کاٹ کے کشتی بنانے کا انتظام کروں۔ شہزاد کی بات کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔ باغرض دوسرا مرحلہ نام کام ہو جاتا ہے تو ہم کیا کریں گے؟“

سادوئیک نے گہری سانس لے کر اس مؤرخ کو دیکھا جو اپنے کاغذات کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

”وہ تم نے پوچھا کہ میں نے کتنے کام سیکھ لیے
 ساتھ رکھا ہے؟“ تو یہ ہے ہر اجواب۔ یہ چھوٹی چھوٹی
 باتیں ہم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی
 ہیں۔ لوگ چاہے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔
 میں شاید بڑے بڑے کام نہیں کر سکتا۔ مجھ میں نہ اتنا
 جبر سے ناطی ذہانت۔ نہ میرے پاس اتنے ذرائع

انہیں بلایا جا سکتا ہے۔" ہاں ہم اپنا نظام پورا رکھو
 غرض مجھے یقین ہے کہ ہم دوسرے مرحلے تک ضرور پہنچ
 جائیں گے۔ جولوگ کچھ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں ان
 کے لیے راستے اللہ تعالیٰ خود کھولتا ہے۔

سابقہ نے گردن موڑ کے درختوں کے چھپر
 تلوار کے مندرجوں کو دیکھا اور پھر اس منورنگ کو جو
 انہیں کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ (کچھ کیسا؟)
 ہم تو شیرادی کی غلامی اور احسانات کی وجہ سے ان
 کے فدا کر رہے ہیں۔ مگر شیر بڑے لوگوں کی بڑی
 (تجربہ)۔

پھر انہی م کے قلم کا گدگدو کیا تو بولا۔ ”آپ کہتے
 کا سامان ساتھ لے گئے تھے؟“ اسے حیرت ہوئی۔
 ”سرافقہ کے لشکر والوں کا جو مٹا ہے تم نے“
 سادو بولا۔ ”وہ کہتے ہوئے مسکرا کے بولا تو سپاہی
 سوچ میں نہ گیا۔

”وہ صحابی جن کو عمر بن خطابؓ نے فتحِ ایران کے بعد کسریٰ کے کٹن بھجوائے تھے کیونکہ رسول اللہ

کے ساتھ جلتی قندیل کا شعلہ ہے معنی سا گلتا تھا۔ اس نے لوہے کا زحکن اٹھایا تا کہ قندیل کے اوپر رکھ کے شعلہ بجھاوے۔

”اصل میں ملک نے بھی عجیب غلط سلط بائیں
 میرے ذہن میں ڈال دیں۔“ مرسل شاہ چیچے بیڑا
 رہا تھا۔ ”وہ پولیس کا تکیہ شادی اس مرد سے ہوئی
 تھی جو اس کے ساتھ چین سے یہاں آیا ہے اور تو کو
 مراد رہے اس کو اپنے گھر میں بنادے رہی ہے۔“
 مراد نے زوردار آواز سے لوہے کا وطن بھٹے
 کے اوپر رکھا۔

ہوا کار مشترک گیا۔

شعلہ بجھ گیا۔
مگر اس کا ہاتھ دھکس پڑا گیت ہو گیا۔

مرسل کی طرف اس کی پشت بھی اس لیے مرسل
اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ایک دم زطلوں کی زد
میں آ گیا تھا۔

سیاہ پڑا سا رکت چہرہ۔
اس نے ڈھکن سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بہت دُرنی
محسوس ہوتا تھا۔ بدقت مراد رجب نے قدم آگے

یاد داری میں تیرے قدم اٹھاتا ہوں اور اس
چہرے کے ساتھ نہیں جا رہا تھا جس کے ساتھ وہ آیا
تھا۔

☆☆☆
تین چاند والے جڑے پہ بھی صبح طلوع ہو
چکی تھی۔ سمندر کا مانی لہروں کی صورت بار بار ساحل

سے ٹکراؤ اور آپس پلٹ جاتا۔
پھاڑی کے دائیں میں درختوں تلے صندوق
نظارہ اور نظارے تھے اور ان کے اوپر ٹکڑیوں کے
پتھر بٹائے گئے تھے کہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔
یہاں اب ایک طرف آگ چلا کے ٹاشے کا انتظام
کرنے میں مصروف تھے۔ جنگل کے اندر کوئی نہیں گیا
تھا کیونکہ یقیناً وہاں بہت سے خونی کموڈورین
موجود تھے جو ہر سارے کھانا کھاتے تھے اور لوگ اس

کر سر ہلا۔ ”آپ کو ایسی بات کسی جتن سے قلعہ رکھنے والے نے کہی ہوگی۔ ظاہر ہے اس شادی پہ سب سے زیادہ تکلیف چینیوں کو ہی ہوگی۔ کیا آپ نے کچھ ایسا حاکم کی شادی آپ آسام سے کرکے لے کے اور گستاخی صاف ٹکھ کوئی رد نہیں دیں گی؟ آپ تو بڑے سے بڑے حالات کے لیے بھی تیار تھے آقا! پھر آپ اس فضول باتوں پہ کیوں دھیماں دے رہے ہیں۔“ کمر واز نے شور مچا تو سب کے چہرے بے آئے جب کہ اہل بیچنے فروش نے

مرسل کے چہرے پر خوشی اور اندھے ایک ساتھ
موجود تھے۔ مر اور سالنا سے مسکرایا اور آگے کو جھکا۔

میری بیٹی غیر شادی شدہ ہے اور وہ آپ کی بیٹی ہے۔

ہے۔ آپ اس کو بلوا کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں خود قرآن پہ اتھو رکھ کے حلف لینے کو تیار ہوں۔ آپ ان والوں سے نکل آئیں۔“

”اودھ“ مرسل شاہ نے گہری سانس لی۔ کھڑکی سے آتی روشنی نے کمرے کے سارے اندھیرے دور کر دے تھے۔ فضا جیسے صاف ہوئی تھی۔

”تو یہ صرف ایک سازش تھی؟ میں خواہ مخواہ ادا کیا
پریشان رہا۔“ اس نے بے اعتبار پریشانی مسکایا
”جی ہاں۔“

”یہ تو ابھی شروعات ہیں آقا! آگے بہت کچھ ہوگا۔ آپ کو غور کو مضبوط ماننا ہوگا۔“ اسمیل کے ان

سب سادہ لوگوں کا ساتھ دینا ہے۔ چہرہ ہر کوئی کے چہرے سے باہر نگاہ دوڑاتی۔ ”مجھے فوج کی مشینوں کی نگرانی کے لیے جانا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔“

ہاں ہاں۔۔۔ مگر جادو۔۔۔ مریں سے کچھ بچایا۔
وہ مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ مراد ادب سے
سرگوشی دے گئے اٹھا اور اسے قدموں دروازے کی
طرف بڑھا۔ کمرہ اتنا روشن ہو چکا تھا کہ دروازے

ہرگز۔ میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میں اس اعلان مقام تک نہیں پہنچتا تھا جس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔
 وہاں قانع مجھے بڑی بڑی مثالیں دیا کرتے تھے مگر مجھے ملاک لے کر دکھایا ہے کہ انسان کو بڑے کام کرنے کے لیے پہلے چھوٹے چھوٹے کام کرنے شروع کیا۔ اس نے اپنا کلمہ اٹھا کر دکھایا۔
 سادہ دیکھ خاموشی سے اسے دیکھ گیا۔ اس کی باتیں سننے والی کی مجبور ہو گئی۔

حاکم سلطنت کا بندہ دارمراور لیا۔ اپنے محل میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کی طرف سے دیکھو تو سارے منظر تھے سرخ وندہ بھائی ہوئی تھی۔ وندہ کی راجداری تھی جس میں وہ کئی لمبے وگ بھرتا جا رہا تھا۔ تیز تیز راجداری بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پل جا رہا تھا۔ سرخ وندہ کھڑی ہوئی جا رہی تھی۔

دوسریاں میں کھڑے لوگ آئے۔ چہرے داغ
 انسانی نظام۔ اس نے ہر ایک کو ہاتھ جھلا کے
 ہٹے گا۔ لوگ پتہ لگے۔ راستہ دیتے گئے۔ سرخ
 رعد دھن میں پڑ گئے۔ ایسا دھواں جس میں
 سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔
 اس کا سینہ گھٹ رہا تھا۔ ٹھنڈا چھٹی ہوئی اور
 تابخ چٹائی میں پوست محسوس ہوتے تھے۔ ان کی
 کچھ اندازوں میں ہورے تھے۔ کسی بھوکے بھڑبھڑے کا
 ماتھوہ جارحانہ آواز میں قدم اٹھا رہا تھا۔

جو چاہتا ہے اس کے ساتھ آجائے اور اوراد پڑھنے کے اس کو اپنے عمل میں چاہا دے رکھی ہے۔) الفاظ اس کے کانوں میں بکھلا سہاڑ مل رہے تھے۔

گول زیدہ سامنے آتا تو وہ کھڑی سرخ دھوئیں کی لپٹ میں تھا۔ ایسا دھواں جس میں انسانی گوشت کے بلیکے پوٹال بولنے لگے۔

مرا دلچسپ ہے اترنے لگا ایک ایک پتہ پھوڑ
کے چھانکا... وہ گول سیڑھیاں چکر کی صورت میں
کرتا بیچ گیا۔

وہاں قید خانے ہے تھے۔ قطار قطار قیدی
اسے دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر وہ سرخ
آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ سرخ جھان
مگر سے مگر اتر گیا۔ شہید ہو جیوس ہو رہی تھی۔
راہداری کے سرے پہ وہ کال کھڑی تھی۔ اس
آگے کے ساتھ ہی زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا۔

ساتھ کمرے پر، بے دارے جلدی سے تالا کھولا تو
مراد پتہ دیکھا اور داخل ہوا۔
سرخ دھند میں اٹھ اُٹھ آیا کہ قیدی کو نے میں
زمن پر بیٹھا ہے۔ پیر سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر
کے سرے پر وزنی لوہے کی گیند ہے۔ اسے دھکے کے
قیدی نے سر اٹھایا، اس کی چوٹی انگوٹھوں میں چمک
آئی اور وہ مسکرایا۔ سنہری رنگت اور چھوٹے بالوں والا
غرض شکل قیدی جو بوسیدہ سفید کرتے پاچا سے میں
لباس اٹھوں بیٹھا تھا، اس وقت کسی دوسری دنیا کا
باشعور لگ رہا تھا۔

مرغی ہاں نظر آ رہے تھے۔
اس نے قیدی کو گریبان سے کپڑے کھڑا کیا
اور وہ بار سے لگا کر غرا گیا۔

”تمہارا میری بیٹی سے کیا تعلق ہے؟“
فارغ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ سر کی پشت
دو بار سے لگا کر رکھی۔ اور بار بار کہا۔
”تم یہ سوال مجھے کبھی نہیں پوچھ
سکتے ہو۔“

”بھائی! مجھے... کیوں ہوتی ہے؟“ درخت میں تھہری جان لے لہوں گا۔“ مراد کی آنکھوں میں خون اتر اٹھا۔
چند لمبے کے لیے قید خانے میں خاموش چھا گئی۔ صرف مراد کے کھڑے رہے جس کی آواز سنائی دیتی تھی۔

”ہماری دنیا میں ہمیں گیم جمہوری پر مبنی جاتی تھی۔ گیم جمہوری۔ حکومت چال۔ یہ ایک ایسی حکمت ہے جو ہمیں سیاست، جنگ حتیٰ کہ تمام بڑے فیصلے لینے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ کیا تم نے بھی حکومت چال کچھ بارے میں سنا ہے؟“

دو عمل سے بلا توجہ اور ہرجے جھگڑے سے اس کا کریماں چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس کی کچھ میں جیسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ دو اس آدمی کے ساتھ کیا کرے۔ بس دانت کچکا کچکا تو وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنی عیاریوں میں کہہ رہا تھا۔

”کھلاڑی اور دھڑلج کے ہوتے ہیں۔ شتاہی اور
لا شتاہی۔ شتاہی کھلاڑی کو تھوڑے ہوتے ہیں۔ تہاہرے
جیسے۔ وہ جب کھیلتے ہیں تو اصولوں کے اندر رہتے
ہوتے۔ ایک مقرر کردہ جوف کو حاصل کرنے کے لیے
کھیلتے ہیں۔ وہ صرف جیتنے کے لیے کھیلتے ہیں۔ تھوڑے
کھلاڑی ہارنے بھی اور جیتنے بھی ہیں کیونکہ ان کا
مقصد صرف حالات کا حصول ہوتا ہے۔“

”میں آخری بار انسانوں کی زبان میں پوچھ رہا
ہوں کہ تم کون ہو؟“ وہ غریبا تھا۔ اس کا چہرہ غیبا
وغضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

”مگر لاٹھائی کھلاڑی میرے جیسے ہوتے ہیں۔ لاٹھو دو۔ دو بغیر اصولوں کے بغیر کسی خوف کے ٹھیکتے ہیں۔ ان کا مقصد جیتنا یا کوئی مقصد حاصل کرنا یا طاقت پالنا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادے کی منہ بولی سے ٹھیکتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے اصول بدل لیتے ہیں۔ حدود کو اس کے جیسے کر لیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی جاکہ جگہ ڈر رہے ہوتے ہیں۔ وہ صرف کھیل کو بڑھاتے رہنے کی غرض سے ٹھیکتے جاتے ہیں۔ وہ جیتنے کے لیے نہیں ٹھیکتے۔ اس لیے غیر لاٹھائی کھلاڑی بھی نہیں ہارتے۔ ان کو کوئی برا ہی نہیں لگتا۔“

”تمہارا..... میری بیٹی سے..... کیا تعلق ہے؟“ وجہ نے چٹا چٹا کے الفاظ ادا کیے تو غصیلی نظر میں اس پہ بھی غصیلی۔ کال کوٹھڑی کے اندر وہ دونوں آنے سامنے کھڑے تھے اور باہر ریلوے میں باسی پانی پانی ہاتھ ہاتھ سر جھکا کر کھڑے تھے۔

”ہواری دنیا کی حکمت، چال کے مطابق...
 ایک لڑتا ہی کھلاڑی کو کوئیں ہرا سکتے... ہٹا کی جنگ
 لڑنے والے نساں و مکاں کی قید سے نکل کے کھیلتے
 ہیں۔“ پھر اس نے انھوں سے سر ملایا۔ ”تمہیں
 تمہارے ساتھ تک کھیل کھیلتا ہے جب تک کھیل
 جاری رہ سکے اور تم حکم کے تمہیں یہاں سے جانے
 دو۔ میں جب چاہتا ہوں اپنی مرضی سے اصول بدل
 لیتا ہوں کیونکہ تالیف اور میرے کوئی اصول کوئی عدد
 نہیں ہیں۔ تمہیں طاقت اور اہداف نہیں چاہئیں۔“

2018

خوبن و الجسٹ

2018 JUN

میں وہ نظر آنی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر دروازہ کا ہوا۔

وہ بھروسے باجر تک میں لمبی سر پر دوپٹا لپیٹے سادہ سرخ خوبصورت کتیر لگ رہی تھی۔ سیاہ چہرے کے ساتھ قریب آنی اور دوری خاموشی کے ساتھ۔ لی۔ پھر فارغ کے پاس دوڑا تو اس کے ہاتھ سے یہ حال سنیں کہ وہ دوڑا اور جاؤ۔ مجھے دوسری دفعہ نہ کہنا پڑا۔ "انداز تھی تھا۔"

خاموشی بھلائی اور باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔

تالیہ نے روٹی تھال میں ڈے پناے میں ڈپٹی اس پانی جیسا مانگ لگ گیا اور پھر اس کے بازو کے اوپر سے تک لائی۔ وہ جواہر علی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کدھا پیچھے کیا۔ تالیہ نے ٹھنکے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے دُشمن کو دیکھتے دیں۔" مگر بڑی میں زبردست لب بولی گویا منت کی۔

"آنکھیں دُشمن کا کیا پتا؟"

"سنگاپور کی ایک سڑک پر یہ کونسا تھا میں نے۔ اس کی نرس میں سے کئی تھی۔ وہ ایکسٹرنٹ میں زخمی ہوئی تھی۔" اس نے فارغ کے بازو کو دیکھتے اپنی ٹانگیں روٹی دُشمن پر رکھی تو اس نے (س) کر کے آنکھیں موند لی۔

"کیا جراثیم اس کا؟"

"زیور اور کچھ تھوڑی۔ مگر جتنی خدمت اس کی میں نے کی وہ میرا حق بنتا تھا۔ اس لیے خود اہستہ یہ کام آتا ہے مجھے۔"

"وقت کے اس بازوؤں کی دیکھ بھال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں حاکم۔"

"آیا۔" وہاں تھے پلکیں لیے آنکھیں بچے ہوئے تھیں۔ بازو پر سرخ لگیوں کی صورت لیے لیے کٹ ڈے تھے۔ تالیہ آہستہ آہستہ ٹھیک روٹی سے ان کو صاف کرنے لگی۔

"آپ تو کہتے تھے آپ کسی سے نہیں ڈرتے، راجہ کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اب ان فرسوں سے تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟"

فارغ نے آنکھیں کھول کے معنوی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"تکلیف تو سب کو ہوتی ہے۔"

"ذرا سب کو لگتا ہے اور کسی کا ساتھ بھی سب کو تن چاہیے ہوتا ہے۔ آپ جتنے بھی بہادر اور مضبوط ہیں جا میں فارغ صاحب۔ فطری جذبات سے نہیں بچا کر سکتے آپ ا۔" وہ پلکیں دُشمن پر جھکے کھڑی تھی۔ وہ چند لمحوں کا چہرہ دیکھا رہا۔

"تم جلدی آگیا۔ حالانکہ ہمیں ادھر رہنا تھا اور ایلم کو وہاں آنا تھا۔"

"آپ کو میری ضرورت تھی۔ ای لمی آگئی۔"

فارغ نے ہلکا سا ہنسا کچھ بات بول دی۔

"جڑ بیل کی کیا تھا؟"

"اور سنا بھی۔ ایلم وہ سب ساتھ لے کر رہی آئے گا۔" وہ اب دُشمنی آواز میں حسیات بتا رہی تھی۔

"گڈ۔ ہر چیز ظان کے مطابق جاری ہے۔"

"آخری مرحلے کے لیے میرا آواز ہو ضروری تھا۔"

"تالیہ کے پاس ہمیشہ چان ہوتا ہے۔ چان اسے ناکام ہو جانے تو چان ہی ہے۔"

"اور چان کی کیا؟"

"تالیہ کے پلاز ہیں۔ تالیہ کی مرضی ا۔" وہ توجہ سے دھیرے دھیرے دوا لپ رہی تھی۔

کوکری میں خاموشی چھا گئی۔ باہر جانے کون سا پہر ہوا تھا اندر ہمیشہ اندھیرا ہوا تھا۔ ایسے میں دیوار پر تھپ تھپوں کے شعلے دم روٹی کھینچے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ پر بھی ضرب لگی تھی اور جھلکی کے اندر کی طرف بڑا سارٹ لگا تھا۔ تالیہ نے اس کی جھلکی اپنے ایک ہاتھ پر پکائی اور پھر ٹھیک روٹی سے پکائی۔ یہ خون کی ٹیکہ صاف کی۔

"تم دوا لیں جا کے کیا کرو گی؟" وہ اس کی جھلکی پکھلی دیکھ کے پوچھنے کا انداز نرم تھا۔

تالیہ نے چہرہ ٹھیک اٹھایا۔ بس کس انداز میں اس کی جھلکی سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے بولی۔ "میں اپنی وہ دولت جس کو میں نے محنت سے نہیں بچایا۔"

"یعنی ساری دولت۔"

"اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔ فارغ وقت میں پیٹنگلر بنائیں گی۔ جائز کمالی کر دی اور خوش رہوں گی۔ شاید کسی دوسرے ٹک پہلی جاؤں۔ آپ تو ظاہر ہو کر لے کر ساتھ ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔"

"ہاں ظاہر ہے۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔ تالیہ کے ہاتھ پر بھروسہ نہیں تھے۔ وہ دُشمن صاف کرتی رہی۔

"جاراہہ۔" تالیہ نے گہری سانس لی۔ "جاراہہ بیت گئے۔ لیکن۔۔۔" وہ چرخی۔ "اگر وقت رک گیا ہو تو؟"

"اور اگر نہ رکا ہو تو؟ ہمیں ہر بات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ س۔۔۔" وہ ہاتھ بڑھا کر دوا لپ رہی تھی۔ اس نے اس کے لبوں سے سسکا رہی تھی۔ آنکھیں بھی تکلیف سے جھپکیں تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں۔" اس کا دھماکا ٹانے کی غرض سے بولی۔ "آپ کا وائٹ کہاں گیا؟"

"مواہل وائٹ جوئے ہر چیز جھگ میں کھو گئی تھی جب ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔"

"آپ کا وائٹ میرے پاس ہے۔ گر گیا تھا تو میں نے اٹھالیا دینا بھول لی تھی۔"

وہ چونکا پھرا سے دیکھ کے صاف سے لگی میں سر ہلایا۔

"اور جنہیں تو بھول کے چیزیں اٹھانے کی بہت عادت ہے۔"

اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ پھر دوا کا پالہ رکھ دیا اور پٹی اٹھائی۔

"اس کے اندر ایک ڈپ لاک جیک میں کئی کے چند دانے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانے پاپ کارن۔ آپ نے انہیں کیوں رکھا ہوا ہے؟"

"کے؟" وہ اب پٹی اس کے ہاتھ پر باندھ رہی تھی۔ جواب نہیں آیا تو سر جھکائے کام کرتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے۔ خود تیار ہیں۔ ویسے بھی میں ہوں تو آپ کی بس ایک ادنیٰ سی کارکن۔ تالیہ وہی ٹھیک کر لیں اس لیے۔۔۔"

"وہاں پانے کے تھے۔" تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ پٹی کا ٹکڑا دے ہاتھ دھیں ختم گئے۔ وہ ای کو کچھ دیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آواز بھی دیکھی ہو گئی تھی۔

"بس دن آریا نہ کھوئی تھی۔" وہ آنکھیں کھارہی تھی۔ جب میں اس کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف

دوڑا تو مجھے وہ نظر آئے۔ وہ انوکھا کاروں کی نشان دہی کے لیے پاپ کارن گرانی کی جی تھی تاکہ ہمارا ان کی مدد سے اسے حاصل کر لیں۔ اسے میری لپٹو بندھیں۔"

وہ ادا سی سے مسکرائی۔ پھر چوگی۔ "لیکن آپ تو میرے پاس میں کہا تھا کہ آریا نہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سب کدھی معلوم ہے کہ اسے صوفیہ زمین نے انوکھا کردا کے غائب کر دیا تھا۔ سبز عصر دوپٹی وی پی پر ملا کتھی ہیں کہ ان کی بیٹی کسی ایسے گھرانے کو بی بی ہوگی کیونکہ ان کو وہیں نہیں لے کر۔۔۔ اس کی آنکھیں وہاں فارغ کی دیکھی آنکھوں سے پھیر گئیں۔ "مگر۔ کیا آپ کو پاپ کارن ملے تھے؟"

وہ خاموش رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ جگمگ نہیں تھیں جیگر رہتی تھی۔

"تو انکو۔۔۔ آپ کو۔۔۔ وہاں کی جی تھی ہے؟" اس کو اپنی آواز پر مسمی ستانی نہ دیتی تھی۔ بے چینی سی ہے جی تھی تھی۔ فارغ نے ہلکا سا سر ہلکا دیا۔

"وہ جہاں تھے جی تھی اس کے پاس سے مجھے پاپ کارن ملے تھے۔ کچھ کو میں نے سنبھال لیا۔ کچھ مجھ سے کھو گئے۔"

"اور آریا؟" اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔

"آپ کی بیٹی؟"

"وہ مر چکی تھی تالیہ! میں نے اسے وہیں دھکا دیا اور میں وہاں سے چلا آیا۔" وہ گہری سانس لے کر بولا اور وہاں گھاسا نہیں لے سکی۔

"سبز عصر کو معلوم ہے؟" بہت دیر بعد وہ بول پائی۔

"میں نہیں جانتا۔۔۔"

"مگر کیوں؟" وہ دنگ رہ گئی۔

"مجھے جوتنگ لگا تھا۔ میں نے وہ کیا۔ اس وقت میں اپنی بیٹی کی موت کو سیاہی انٹو نہیں دے سکتا تھا۔ ہم ٹانغان کو سیاہی سے الگ رکھنے والے لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ خود ہی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ نہیں ہوگی۔" وہ غمگین نظر کے بول رہا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ سبز عصر کو نہیں معلوم تو کسی کو نہیں

معلوم۔ آپ ان کو بتا سکتے تھے۔"

"کیسے؟" اس نے آریا کو دیکھا تو وہاں لاش دیکھنے کی شدت کرتی۔ میں اپنی آریا نہ کی وہ حالت کسی کو نہیں دیکھا سکتا تھا۔ "اس کی آواز تیز ہوئی۔" اور عصر وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ پائی۔ اس لیے میں نے اس کو ایک ایسے صوفیہ دی۔ کم از کم وہ اچھل تو رہے گی۔ اسے سکون تو رہے گا۔"

"ایک ماں کو سکون کیسے آ سکتا ہے بھلا؟ آپ کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ مر جانے والے کا صبر کھو جانے والے سے جلدی آ جاتا ہے۔" وہ کھوکھو کرنے لگی۔ اپنی لپٹیں ہاتھ وہیں اس کے ہاتھ کے اوپر غم سے ہوئے تھے۔

"عصر کو نہ آتا۔ وہ ایک مثبت صورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ کٹی رہتی ہے۔ میں اس کو سزا دیتی تھی پنا سے بچانا چاہتا تھا۔"

"یو شاہی آپ کو یہ زہر تھا کہ وہ آپ کو اڑا دے گی۔ کیونکہ آپ کی سیاست نے یہاں رکھا تھا۔ اسی لیے اس روز بارش۔ یہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس نے ہار کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ پہلے کی شام بدلتی پڑی تھی۔ (کہ آریا نہ کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ لیکن اگر آپ نے پہلے نہیں بتایا تو اب بتا کر کیا؟"

"مجھی جی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آنکھوں سے دھڑچھڑاتی تھی اور پہلے میں تنہی کی واہیں چھا گئی۔ ہماری شادی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے۔ میں اس میں مزید پیچیدہ کیا میں پھر نہیں کر سکتی۔" وہ دونوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

"اس بات کو جانے دو۔ اور ہاں۔۔۔ اس نے بات بدلی۔" میں نے تھوڑے سے ہاپا کو بتایا تھا کہ تم اس دنیا میں چور نہیں۔ اور مجھے وہ سب کہتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔"

"مگر وہاں کا حصہ تھا۔ میں نے خود ہی آپ سے کہا تھا کہ ان کو تباہ دیکھنے کا کہہ دو آپ پہرہ دے

لیجیے۔"

"لیکن تم۔۔۔ اپنے باپ سے اپنا معاملہ درست کر لو؟ اچھا ہوگا۔"

"اس کا وقت گزر چکا۔" وہ بات کاٹ کے بولی۔ "وہ میرے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں کسی حندریہ سطر پہ جا کے کسی دواہن نہ آؤں۔" پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔ "یہ جوتنگ کیوں بولا آپ نے میرے انجام کے بارے میں؟" وہ اپنی لپٹ کے گرد بچے ہوئے بولی۔ "میں نے یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ خاموشی سے اس کی بیٹی کی نظر میں دیکھنے لگا پھر گہراں بھیر لیں۔ گردن میں کٹی سی انگریز کے معدوم ہوئی۔

"تم مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر کرو۔ باقی باتیں چھوڑو۔" صوفیہ بدل دیا تو اس نے مسکرا کے بی بی کی گرد لگائی اور قہار سے روایاں اٹھا کے ہاتھ پونچھے۔

"جیسا کہ میں نے کہا۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پاپ کارن ہے۔"

اور انھوں نے بولی۔ "میرے روشنی میں بھی اس کی چٹکی آنکھیں داغ دکھائی دیتی تھیں۔"

فارغ نے بس مسکرا کے اسے دیکھا۔ فنی قیدی کے جسم پہ چھاپا چھان بدلتی تھیں اور سخت زور ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابو الجری کی حویلی کے احاطے میں غلام معمول کے مطابق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامان کدھوں پہاڑے سو گئے سڑے طاہر زورہ اجسام کے مالک غلام ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ پھر سے کوئی تعمیراتی کام شروع تھا اور وہ چاروںوں کی مانند مشقت میں لگے تھے۔

حویلی کے اندر وہاں خانے میں بڑی بڑی کدھوں میں جن کے سرو سے بٹے تھے اور خوب ساری روٹی اندر آ رہی تھی۔ سامنے خوب صورت مسمریاں رکھی تھیں جن میں سے ایک بے ابو اخیر بیٹھا

خوڑے سے سامنے براہمن مراد میر کو کچر ہاتھ۔

مراد بظاہر بسکون نظر آتا تھا۔ ہانگ بے ہانگ بجائے روشن کدھوں کو دیکھتے ہوئے مسلسل ہانٹ سے ٹھوڑی کورنگ ہوا۔ "مگر جب سے وہ آتا تھا، انفا میں ایسا تازہ کھل گیا تھا کہ انڈیا کو بھی اب محسوس ہونے لگا تھا۔"

"رہو۔۔۔ سب کیسے تھوڑے ہے؟"

"بندلارا تمہارے سہمان خانے پہ آیا ہے تو ظاہر ہے سب فیک ہیں۔" مراد نے ابھرتی لپٹ اور خوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

"مجھ مشکلات آن پڑی ہیں۔"

ابو اخیر آ کے کھوا۔ چہرے پہ خوشی ابھری۔

"رہو۔۔۔ آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ بتائے دیکھ بات ہے۔"

"میں نے نہیں جب وزیر خزانہ بخواہا تھا اور ملا کہ میں امان دیتی تھی حالانکہ مجھے جھٹل سلطان کے حامی تھے تو میں نے ایک عہد لیا تھا تم سے۔"

"مجھے یاد ہے راجہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں سلطان سے زیادہ آپ کا وفادار ہو جاؤں تو وقت آئے آپ پاپ سلطان سے زیادہ مجھ سے وفادار نہیں گئے۔"

"اور وہ وقت آ گیا ہے ابو اخیر۔" مراد بھی آگے کو جھکا اور آواز دھکی کی۔ "میں مرسل شاد کا تختہ اٹھاتے۔"

مگر میں ایک دم سمجھنا نہ پھا گیا۔ ابو اخیر نے بے چینی سے ابو اٹھایا۔ "لیکن مرسل شاد ہمارے مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔"

باقی آ احمد ماہان شاد اللہ